نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ
ماھنامہ
الحدیث
حضرو
شمارہ نمبر
51
رجب ۱۴۲۹ھ اگست ۲۰۰۸ء
مدیر
حافظ زبیر علی زئی
عبداللہ بن سبا کون تھا؟
اہلِ بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں
نیموی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر
صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال
اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ
مکتبۃ الحدیث
مکتبۃ الحدیث حضرو' اٹک : پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | رجب ۱۴۲۹ھ اگست ۲۰۰۸ء | شمارہ: 8

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5335233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر
0301-6603296

ابو جابر عبداللہ دامانوی
0300-7062081

محمد صفدر حضروی

ابو خالد شاکر

برائے رابطہ

اعظم بلال
0302-5756937

حافظ طارق مجاہد یزمانی
0345-8737752

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک
250 روپے

خط وکتابت

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

اس شمارے میں

اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہترین چیز خرچ کریں — حافظ ندیم ظہیر — 2

جہاد کی کئی اقسام ہیں — حافظ زبیر علی زئی — 4

توضیح الاحکام — حافظ زبیر علی زئی — 13

نیموی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر — حافظ زبیر علی زئی — 20

اختصار علوم الحدیث (۲) — حافظ زبیر علی زئی — 37

صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال — حافظ زبیر علی زئی — 42

اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ — حافظ زبیر علی زئی — 49

احسن الحدیث — حافظ ندیم ظہیر

اللہ تعالیٰ کے راستے میں بہترین چیز خرچ کریں

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵ۛ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ تم نیکی کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کے راستے میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران:۹۲)

فقہ القرآن:

☆ آیت مذکورہ میں ''البر'' سے مراد جنت ہے، جیسا کہ امام بغوی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمائی ہے۔ (دیکھئے تفسیر بغوی ۳۲۵/۱) یعنی بہترین و محبوب ترین اشیاء اللہ کے راستے میں خرچ کرنا حصولِ جنت کا ذریعہ ہے۔

☆ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار مدینہ میں سے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہت مالدار تھے اور انھیں اپنے مال میں سے بیرحاء (نامی باغ) بہت زیادہ پسند تھا، وہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا پاکیزہ پانی پیتے تھے۔ سیدنا انس فرماتے ہیں: جب یہ آیت ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ نازل ہوئی تو سیدنا ابوطلحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا: یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ اور بلاشبہ مجھے اپنے مال میں سے بیرحاء بہت محبوب ہے لہٰذا (اسے) اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور میں اللہ کے پاس اس کے اجر اور اس کے ذخیرے کی امید رکھتا ہوں.....الخ

(صحیح بخاری:۱۴۶۱، صحیح مسلم:۹۹۸، دارالسلام:۲۳۱۵)

☆ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا عمل اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر ہے۔

☆ سورۂ بقرہ آیت: ۲۶۷ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اللہ کے راستے میں پاکیزہ اور بہتر مال

خرچ کیا جائے۔

☆ مال ہو یا اولاد یا کوئی اور چیز جو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے ایک ہی مقصد پیشِ نظر رہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔

☆ بعض لوگ اپنے ذہین و فطین بچے دنیاوی فنون سیکھنے میں اور کند ذہن بچے جو ہر جگہ سے دھتکارے ہوتے ہیں انھیں اسلامی تعلیم کے لئے مدارس میں بھیج دیتے ہیں ایسے حضرات درج بالا آیت کی روشنی میں اپنا محاسبہ کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی گستاخی کرنا حرام ہے

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

''**من يبغض أصحاب رسول الله ﷺ فليس له في الفيء نصيب**''

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بغض رکھتا ہے تو فئ (مالِ غنیمت) میں سے اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے سورۃ الحشر کی تین آیات (۸ تا ۱۰) تلاوت کیں اور فرمایا: ''**فمن يبغضهم فلا حق له في فيء المسلمين**'' لہٰذا جو شخص ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بغض رکھتا ہے تو مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں اس کا کوئی حق نہیں ہے۔

(الطیوریات ج ۱ ص ۸۹، ۹۰ ح ۶۹ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۶/ ۳۲۷، نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۳۷۲ وسندہ صحیح)

فئ اس مالِ غنیمت کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرنے والے لوگ اتنے بڑے گمراہ ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت کے مشہور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مالِ غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

اعلان: ماہنامہ الحدیث ۴۳ ص ۶۵ پر ''اور شرح ابن عقیل کے مصنف'' کے الفاظ غلطی سے لکھے گئے ہیں لہٰذا یہ الفاظ کالعدم سمجھے جائیں۔

فقہ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

جہاد کی کئی اقسام ہیں

۱۵۱) وعن عائشة قالت: تلا رسول الله ﷺ: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ وقرأ إلى: ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ قالت قال رسول الله ﷺ: ((فإذا رأيت)) وعند مسلم: ((رأيتم - الذين يتبعون ما تشابه منه فأولئك الذين سمّاهم الله فاحذروهم .)) متفق عليه .

(سیدہ) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ [وہ وہی ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں] سے لے کر ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [عقل مندوں کے علاوہ کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۷)] تک تلاوت فرمائی۔ (پھر) آپ نے فرمایا: اگر تُو ان لوگوں کو دیکھے اور مسلم کی روایت کے مطابق: تم اُن لوگوں کو دیکھو جو متشابہ (آیات) کی پیروی کرتے ہیں تو ان سے بچو، یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے۔ متفق علیہ (صحیح بخاری: ۴۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۶۶۵)

فقہ الحدیث

① اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُمت میں بدعتی (مثلاً خوارج وغیرہ) لوگ پیدا ہوتے رہیں گے لیکن ان سے بچنا ضروری ہے۔

② محکم اس آیت کو کہتے ہیں جو ظاہر اور واضح ہو، اُس میں کسی تاویل کی ضرورت نہ ہو مثلاً حلال وحرام، وعد و وعید، عذاب وثواب اور امر و نہی وغیرہ

متشابہ اس آیت کو کہتے ہیں جس میں مختلف معانی کا احتمال ہو مثلاً حروف مقطعات وغیرہ۔ دیکھئے تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۳/۳، ۱۱۸) اور فتح الباری (۲۱۰/۸، ۲۱۱ ح ۴۵۴۷)

③ بعض اہل بدعت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا، آسمانِ دنیا پر نازل ہونا اور آیاتِ صفات وغیرہ متشابہات میں سے ہیں، اہل بدعت کا یہ دعویٰ مردود ہے اور سلف صالحین سے بھی ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

④ کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو راسخ فی العلم علماء یعنی ثقہ وصدوق سلف صالحین سے ثابت ہے۔

١٥٢) وعن عبدالله بن عمرو قال :هجّرت إلى رسول الله ﷺ يومًا، قال : فسمع أصوات رجلين اختلفا في آية فخرج علينا رسول الله ﷺ يعرف في وجهه الغضب فقال :((إنما هلك من كان قبلكم باختلافهم فى الكتاب .)) رواه مسلم .

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں ایک دن دوپہر کے وقت رسول ﷺ کے پاس گیا تو آپ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جنھوں نے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کیا تھا۔ رسول ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم:۲۶۶۶)

فقہ الحدیث

① قرآن مجید کے بارے میں اپنی رائے سے ایسا اختلاف کرنا جائز نہیں ہے جس سے جھگڑا اور باہمی نفرت پیدا ہو بلکہ آیات کے مفہوم کو احادیث اور سلف صالحین کے فہم کے مطابق حل کرنا، سمجھنا اور عمل کرنا چاہیے۔

② آیات سے ایسا استدلال جو کفر وشرک یا بدعت کی طرف لے جائے حرام ہے۔

③ کتاب وسنت کے منافی امور پر غیظ وغضب کا اظہار جائز ہے۔

④ گمراہی کی اصل جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کی غلط تاویل کر کے سلف صالحین کے خلاف استدلال کیا جائے۔

١٥٣) وعن سعد بن أبي وقاص قال قال رسول الله ﷺ :((إنّ أعظم المسلمين في المسلمين جرمًا من سأل عن شيء لم يحرّم على الناس فحرّم من أجل مسألته .)) متفق عليه .

(سیدنا) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
مسلمانوں میں سب سے بڑے جرم والا وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جو حرام نہیں ہوئی تھی پھر اس کے پوچھنے کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔
متفق علیہ (صحیح بخاری:٧٢٨٩، صحیح مسلم:٢٣٥٨/١٣٢)

فقہ الحدیث

① جس چیز کی ممانعت یا حرام ہونے کا ذکر کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں ہے تو ایسے دنیاوی اُمور میں اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں مباح ہیں الا یہ کہ شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہو۔ دیکھئے فتح الباری (٢٦٩/١٣)

② فضول سوالات کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

③ اس حدیث کا تعلق عہد نبوی یعنی دورِ نزولِ وحی کے ساتھ ہے۔

④ ایسا کام کرنا جس سے دوسروں کو تکلیف ہو حرام ہے۔

⑤ مسئلہ پوچھتے وقت مفادِ عامہ کا خیال ضرور رکھنا چاہئے۔

⑥ سیاق وسباق اور حالات کے لحاظ سے بعض اوقات معمولی لغزش بھی بہت سنگین جرم بن جاتا ہے۔

١٥٤) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم فإياكم و إياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم .)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
آخری زمانے میں ایسے کذاب دجال ہوں گے جو تمھارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جو

نہ تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمھارے آباء واجداد نے سُنی ہوں گی، خبردار! ان سے بچ جانا، یہ تمھیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ اسے مسلم (۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① ایسی بے سند حدیثیں جو محدثین کی کتابوں میں نہیں ہیں، پیش کرنے والے لوگ اس حدیث کے مخاطب ہیں مثلاً: ''**من عرف نفسه فقد عرف ربه**''

''**لاجمعة إلا بخطبة**''

''**لولاك لما خلقت الافلاك**''

اور'' **أول ما خلق الله نوري**'' وغیرہ قسم کی روایات۔

② اہلِ بدعت کی بنیادی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ موضوع، بے اصل اور بے سند قسم کی روایتیں بطورِ حجت پیش کرتے رہتے ہیں۔

③ اہلِ بدعت سے دور رہنا اور بچنا ضروری ہے۔

④ اس حدیث میں تمھارے سے مراد محدثین کرام (اہلِ حدیث) ہیں لہٰذا اس حدیث میں اہلِ حدیث کی فضیلت ہے۔

⑤ جھوٹی اور بے اصل حدیثیں بیان کرنا حرام ہے۔

⑥ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ اور بہت بڑا جرم ہے جس کے بارے میں بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ ایسا کرنے والے کی توبہ دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۵۵) وعنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام. فقال رسول الله ﷺ: ((لا تصدّقوا أهل الكتاب ولا تكذّبوهم و قولوا: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾ الآية. رواه البخاري.

ان (سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) سے ہی روایت ہے کہ اہلِ کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی میں اس کی تشریح بیان کرتے تھے پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو اور کہو: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

اِلَيْنَا ﴾ الآية ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف بھیجا گیا ہے اُس پر ایمان لائے۔ آخر آیت تک۔ اسے امام بخاری (۷۵۴۲) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① اہلِ کتاب سے مراد یہودی ہیں جو عبرانی زبان والی تورات کو مانتے ہیں لیکن یاد رہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں کے پاس تورات اور ان کی مذہبی کتابوں کی صحیح متصل سند موجود نہیں ہے لہٰذا یہ لوگ اندھیروں میں سرگرداں بھٹک رہے ہیں۔

② اہل کتاب کی جو روایت کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو تو اسے بیان کرنا جائز ہے۔

③ مشکل معاملات جن میں فیصلہ نہ ہو سکے، ان کے بارے میں توقف کرنا ضروری ہے۔

④ کتاب و سنت کے خلاف رائے پیش نہیں کرنی چاہیے۔

⑤ قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھنا جائز ہے بشرطیکہ کتاب و سنت، اجماع اور سلف صالحین کے فہم کو مدِّ نظر رکھا جائے۔

⑥ اہل حق کے مخالفین کی کتابیں پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پڑھنے والا عالم بالحق ہو اور اس کا مقصود حق کا دفاع اور باطل کا رد ہو۔

۱۵٦) وعنه قال قال رسول الله ﷺ :

((كفى بالمرءِ كذباً أن يحدّث بكل ما سمع .)) رواه مسلم .

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات بیان کرتا پھرے۔ اسے مسلم (۵) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① صرف صحیح روایات بطورِ استدلال بیان کرنی چاہئیں۔

② ضعیف و مردود روایات بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

③ زندگی گزارنے کا یہ اصول ہونا چاہیے کہ آدمی ہر وقت احتیاط اور تحقیق سے کام لے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ پنجابی زبان کے محاورے "لائی لگ" کی طرح ہر سُنی سُنائی بات کے پیچھے دوڑتا پھرے اور پھر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے۔

④ حدیث حجت ہے۔

۱۵۷) وعن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((ما من نبي بعثه اللّٰه في أمة قبلي إلا كان له في أمته حواريون و أصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردلٍ .)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھ سے پہلے جو بھی نبی بھیجا ہے تو اس (نبی) کی اُمت میں اُس کے حواری ہوتے تھے جو اس کی سنت پر چلتے اور حکم پر عمل کرتے، پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیچھے رہ جاتے تھے جو وہ کہتے تھے اُس پر عمل نہیں کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا لہٰذا جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ ان سے جہاد کیا تو وہ شخص مومن ہے اور جس نے اپنی زبان کے ساتھ اُن سے جہاد کیا تو وہ (بھی) مومن ہے اور جس نے دل کے ساتھ (انھیں برا سمجھتے ہوئے) جہاد کیا (یعنی ان سے نفرت کی) تو وہ (بھی) مومن ہے۔ اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان نہیں ہے۔ اسے مسلم (۵۰، ترقیم دارالسلام: ۱۷۹) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① نبی ﷺ کے احکامات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

② جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ اس کی کئی اقسام ہیں، مثلاً حق کی دعوت دینا، اہلِ بدعت اور گمراہوں کا رد کرنا بھی جہاد ہے۔

③ بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔
④ ایمان کے کئی درجے ہیں، کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی رائی کے دانے کے برابر رہ جاتا ہے۔
⑤ اپنی پوری استطاعت کے مطابق نصرت کرنے والے مخلص ترین ساتھی کو حواری کہتے ہیں۔
⑥ قرآن وحدیث پر عمل نہ کرنے والے لوگ گمراہ ہیں۔
⑦ کفار، مشرکین اور مبتدعین سے نفرت کرنا جزوِ ایمان ہے۔
⑧ صحیح حدیث شرعی حجت ہے۔
⑨ منافقت اور دوغلی پالیسی حرام ہے۔
⑩ دین میں ایسے کاموں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جن کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنے سے سوائے رسوائی اور ناکامی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

۱۵۸) وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ :((من دعا إلى هُدىً كان من الأجر مثل أجور من تبعه ، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً . ومن دعا إلى ضلالة كان عليه من الإثم مثل آثام من تبعه ، لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً .)) رواه مسلم .

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اُسے ان لوگوں جتنا ثواب ملے گا جو اس ہدایت پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان لوگوں جتنا گناہ ملے گا جو اس گمراہی پر عمل کریں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اسے مسلم (۲۶۷۴/۱۶) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

② جو شخص کوئی بُرائی ایجاد کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں اس وقت تک گناہ ہی گناہ درج ہوتے رہتے ہیں۔ جب تک لوگ اس برائی پر عمل کرتے رہتے ہیں۔

③ ہر وقت اسی بات میں مصروف رہنا چاہیے کہ میرا عمل کتاب وسنت کے مطابق رہے، کہیں کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو جائے۔

④ بدعات سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۵۹) وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((بدأ الإسلام غريبًا و سيعود كما بدأ فطوبى للغرباء .)) رواه مسلم .

اور انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام شروع میں اجنبی تھا اور دوبارہ اجنبی ہو جائے گا لہٰذا اجنبیوں کے لئے خوش خبری ہے۔

اسے مسلم (۱۴۵/۲۳۲) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① ہر وقت حق پر ڈٹے رہنا چاہیے اگرچہ ساری دنیا بھی حق کے مخالف ہو جائے۔

② دینِ اسلام اور حق کے مخالفین کی کثرت سے کبھی نہیں گھبرانا چاہیے کیونکہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد والے دور کے علاوہ دنیا میں ہمیشہ اہلِ ایمان اور اہلِ حق کی تعداد تھوڑی رہے گی۔

③ جن لوگوں کو اس حدیث میں غرباء (اجنبی) کہا گیا ہے، ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: **((ناس صالحون قليل في ناس سوء كثير ،من يعصيهم أكثر ممن يطيعهم .))** بہت زیادہ بُرے لوگوں میں (رہنے والے) تھوڑے سے نیک لوگ ہیں، ان کی اطاعت کرنے والوں کے مقابلے میں نافرمانی کرنے والے زیادہ ہوں گے۔ (کتاب الزہد للامام عبداللہ بن المبارک: ۷۷۵ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ غرباء سے وہ صحیح العقیدہ متبعینِ کتاب وسنت مراد ہیں جن کی مخالفت کرنے والے اکثریت میں ہوتے ہیں، اس سے کوئی خاص پارٹی مراد نہیں ہے۔

۱۶۰) وعنه قال قال رسول الله ﷺ :((إن الإيمان ليأرز إلى المدينة

كما تأرز الحية إلى جحرها .)) متفق عليه .

وسنذكر حديث أبي هريرة :((ذروني ما تركتكم)) في كتاب المناسك وحديثي معاوية وجابر :((لا يزال من أمتي)) و[الآخر]:((لا يزال طائفة من أمتي)) في باب :ثواب هذه الأمة إن شاء اللّٰه تعالٰی.

انھی (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان مدینے کی طرف اس طرح سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری:۱۸۷۶، صحیح مسلم:۲۳۳/۱۴۷)

ہم ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث ((ذروني ما تركتكم .)) کتاب المناسک (ح ۲۵۰۵) میں، معاویہ اور جابر (رضی اللہ عنہما) کی دو حدیثیں ((لايزال من أمتي)) (ح ۶۲۷۶، ۵۵۰۷) اور ((لا يزال طائفة من أمتی)) ثواب ھذہ الأمہ کے باب (۶۲۸۳) میں ذکر کریں گے۔

فقہ الحدیث

① معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے ایک دور ایسا بھی آئے گا جب ہر طرف گمراہی اور کفر کا دور دورہ ہوگا لیکن مدینہ طیبہ اس فتنے سے محفوظ رہے گا۔

② قیامت تک ہر دور میں امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔

③ تشبیہ کے لئے مشبہ بہ اور مشبہ کا ہر صفت میں ایک ہونا ضروری نہیں ہے۔

④ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

⑤ بعض علماء کے نزدیک مدینہ و مکہ دونوں شہر اور حجاز کا علاقہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم

⑥ مومن کو ہر وقت اپنا ایمان بچانے کی فکر میں رہنا چاہیے۔

⑦ سانپ سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سانپ اگر اپنے سوراخ میں داخل ہو جائے تو اس کے دشمن ناکام رہتے ہیں، اسی طرح دجال و کفار مدینہ طیبہ پر قبضے میں ناکام رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اہلِ مدینہ کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

سوال: بعض لوگ عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس سوال کا مفصل جواب بیان فرمائیں تا کہ اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

(خالد بن علی گوہر دایو، ملخصاً)

الجواب: عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح بلکہ متواتر روایات سے ثابت ہے مثلاً:

① امام احمد بن زہیر بن حرب عرف ابن ابی خیثمہ فرماتے ہیں: '' **حدثنا عمرو بن مرزوق قال: نا شعبة عن سلمة بن كهيل عن زيد بن وهب قال قال علي: مالي ولهذا الخبيث الأسود ـ يعني عبدالله بن سبأ ـ وكان يقع في أبي بكر وعمر.** '' سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اس کالے خبیث یعنی عبداللہ بن سبا کا میرے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور وہ (ابن سبا) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کو بُرا کہتا تھا۔

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ ص ۵۸۰ ح ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

② حجیہ الکندی سے روایت ہے کہ (سیدنا) علی علیہ السلام نے منبر پر فرمایا: یہ کالا ابن السوداء اللہ اور رسول پر جھوٹ بولتا ہے۔ الخ (الجزء الثالث والعشرون من حدیث ابی الطاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر الذہلی: ۱۵۷، وسندہ حسن، تاریخ ابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، تاریخ دمشق ۳۱/۶)

ابن سوداء سے مراد ابن سبا ہے۔

③ عبیداللہ بن عتبہ (بن مسعود) رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **إني لست بسبائي ولا حروري** '' میں نہ تو سبائی (عبداللہ بن سبا والا یعنی شیعہ) ہوں اور نہ حروری (خارجی) ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۲۹۹، ۳۰۰ ح ۳۱۲۲۷، دوسرا نسخہ ح ۳۱۷۶۱ وسندہ صحیح)

④ امام یزید بن زریع رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۲ھ) نے فرمایا: ''ثنا الکلبي و کان سبائیاً'' ہمیں (محمد بن السائب) الکلبی نے حدیث بیان کی اور وہ سبائی (یعنی عبداللہ بن سبا کی پارٹی میں سے) تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑤ محمد بن السائب الکلبی نے کہا: ''أنا سبائي'' میں سبائی ہوں۔
(الضعفاء للعقیلی ۴/ ۷۷ وسندہ صحیح، المجروحین لابن حبان ۲/ ۲۵۳ وسندہ صحیح)

لفظ سبائی کی تشریح میں امام ابو جعفر العقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''هم صنف من الرافضة أصحاب عبداللّٰه بن سبأ''
یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے، یہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں۔ (الضعفاء الکبیر ۴/ ۷۷)

⑥ امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے فرمایا:
''فلم أر قوماً أحمق من هذه السبئية'' میں نے ان سبائیوں سے زیادہ احمق کوئی قوم نہیں دیکھی۔ (الکامل لابن عدی ۶/ ۲۱۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۷ ص ۲۷۵)

⑦ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے ایک ثقہ راوی عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب کے بارے میں فرمایا: ''و کان عبداللّٰه يتبع السبائية'' اور عبداللہ سبائیوں کے پیچھے چلتے تھے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری ۵/ ۱۸۷، وسندہ صحیح)
سبائیوں سے مراد رافضیوں (شیعوں) کی ایک قسم ہے۔ (تہذیب الکمال ج ۱۰ ص ۵۱۳)

⑧ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:
''و کان الکلبي سبئياً من أصحاب عبداللّٰه بن سبأ ....''
اور کلبی سبائی تھا، وہ عبداللہ بن سبا کے پیروکاروں میں سے تھا... (المجروحین ۲/ ۲۵۳)

⑨ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا:
''ثم السبئية إذ غلت في الكفر فزعمت أن علياً إلٰهها حتّى حرّقهم بالنار ...'' پھر سبائی ہیں، جب انھوں نے کفر میں غلو کیا تو یہ دعویٰ کیا کہ علی اُن کے الٰہ (معبود) ہیں حتیٰ کہ انھوں (علی رضی اللہ عنہ) نے ان لوگوں کو جلا دیا۔ (احوال الرجال ص ۳۷)

⑩ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے اعمش کے شاگرد ابوسلمان یزید نامی راوی کے بارے میں فرمایا: ''وھو سبائي ''اور وہ سبائی ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۸۷۰)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں جن سے عبداللہ بن سبا یہودی کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلِ سنت کی اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۳/۳۱) میزان الاعتدال (۴۲۶/۲) لسان المیزان (۲۸۹/۳، دوسرا نسخہ ۲۲/۴) وغیرہ۔

فرقوں پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی عبداللہ بن سبا اور سبائیوں کا ذکر موجود ہے۔

مثلاً دیکھئے ابوالحسن الاشعری کی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' (ص ۸۶)

الملل والنحل للشہرستانی (ج ۲ ص ۱۱) اور الفصل فی الملل والاھواء والنحل (۱۸۰/۴) وغیرہ.

حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: ''وقالت السبائیة أصحاب عبداللّٰه بن سبا الحمیری الیهودی مثل ذلك في علي بن أبي طالب رضي اللّٰه عنه''

اور سبائیوں: عبداللہ بن سبا حمیری یہودی کے پیروکاروں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہی ہیں۔ (الفصل فی الملل ۱۸۰/۴)

ابوالحسن الاشعری فرماتے ہیں: ''والصنف الرابع عشر من أصناف الغالیة وهم السبئیة أصحاب عبداللّٰه بن سبا یزعمون أن علیاً لم یمت وأنه یرجع إلی الدنیا قبل یوم القیامة ... ''غالیوں میں سے چودھویں قسم سبائیوں کی ہے جو عبداللہ بن سبا کے پیروکار ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علی (رضی اللہ عنہ) فوت نہیں ہوئے اور بے شک وہ قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئیں گے.... (مقالات الاسلامیین ص ۸۶)

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے کہ ''من غلاة الزنادقة ضال مضل'' وہ غالی زندیقوں میں سے (اور) ضال مضل تھا۔ (میزان الاعتدال ۴۲۶/۲)

اہلِ سنت کا عبداللہ بن سبا کے وجود پر اجماع ہے، کوئی اختلاف نہیں۔

شیعہ فرقے کے نزدیک بھی عبداللہ بن سبا کا وجود ثابت ہے جس کی دس (۱۰) دلیلیں

پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام ابوعبداللہ (جعفر بن محمد بن علی الصادق) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: '' **لعن اللّٰه عبداللّٰه بن سبا انه ادعى الربوبية في أمير المؤمنين (ع) وكان واللّٰه أمير المؤمنين (ع) عبدًا للّٰه طائعًا، الويل لمن كذب علينا، و إن قومًا يقولون فينا مالا نقوله في أنفسنا ، نبرأ إلى اللّٰه منهم ، نبرأ إلى اللّٰه منهم** ''

عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے اُس نے امیر المومنین (علی علیہ السلام) کے بارے میں ربوبیت (رب ہونے) کا دعویٰ کیا، اللہ کی قسم! امیر المومنین (علیہ السلام) تو اللہ کے طاعت شعار بندے تھے، تباہی ہے اس کے لئے جو ہم پر جھوٹ بولتا ہے، بے شک ایک قوم ہمارے بارے میں ایسی باتیں کرے گی جو ہم اپنے بارے میں نہیں کرتے، ہم ان سے بری ہیں ہم ان سے بری ہیں۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت نمبر ۱۷۲)

اس روایت کی سند شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے صحیح ہے۔ محمد بن قولویہ القمی، سعد بن عبداللہ بن ابی خلف القمی، یعقوب بن یزید، محمد بن عیسیٰ بن عبید، علی بن مہزیار، فضالہ بن ایوب الازدی اور ابان بن عثمان یہ سب راوی شیعوں کے نزدیک ثقہ ہیں۔
دیکھئے مامقانی کی تنقیح المقال (جلد اول)

۲: ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کو اپنے شاگردوں کے سامنے عبداللہ بن سبا اور امیر المومنین علی بن ابی طالب کے بارے میں اس کے دعویٰ ربوبیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا: اس نے جب یہ دعویٰ کیا تو امیر المومنین (علیہ السلام) نے اس سے توبہ کرنے کا مطالبہ کیا، اس نے انکار کر دیا تو انھوں نے اُسے آگ میں جلا دیا۔ (رجال کشی ص ۱۰۷، روایت: ۱۷۱، وسندہ صحیح عند الشیعہ)
اس روایت کی سند بھی شیعہ اصول کی رو سے صحیح ہے۔

۳: اسماء الرجال میں شیعوں کے امام کشی نے لکھا ہے:

'' **ذكر بعض أهل العلم أن عبداللّٰه بن سبا كان يهوديًا فأسلم ووالى عليًا**

(ع) وكان يقول و هو علٰى يهوديته في يوشع بن نون وصيّ موسى بالغلو ، فقال في اسلامه بعد وفات رسول اللّٰه (ص) في علي (ع) مثل ذلك، وكان أول من شهر بالقول بفرض امامة عليّ وأظهر البراء ة من أعدائه وكاشف مخالفيه و أكفر هم فمن ههنا قال من خالف الشيعة :أصل التشيع والرفض مأخوذ من اليهودية ''

بعض اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی (علیہ السلام) سے والہانہ محبت کی، وہ یہودیت میں غلو کرتے ہوئے یوشع بن نون کے بارے میں کہتا تھا: وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے وصی تھے، پھر مسلمان ہونے کے بعد وہ علی (علیہ السلام) کے بارے میں اس طرح کہنے لگا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد آپ وصی ہیں۔

سب سے پہلے علی کی امامت کی فرضیت والا قول اُسی نے مشہور کیا اور آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا، آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی اور انھیں کافر کہا، اس وجہ سے جو لوگ شیعوں کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں: شیعوں اور رافضیوں کی اصل یہودیت میں سے ہے۔ (رجال کشی ص۱۰۸، ۱۰۹)

۴: شیعوں کے ایک مشہور امام ابو محمد حسن بن موسیٰ النوبختی نے لکھا ہے:

'' وحكى جماعة من أهل العلم من أصحاب علي عليه السلام :أن عبداللّٰه ابن سبأ كان يهوديًا فأسلم و والى عليًا عليه السلام وكان يقول وهو على يهوديته في يوشع بن نون بعد موسى عليه السلام بهذه المقالة فقال في اسلامه بعد وفاة النبي صلى اللّٰه عليه وآله وسلم في علي عليه السلام بمثل ذلك وهو أول من شهر القول بفرض امامة علي عليه السلام و أظهر البراء ة من أعدائه و كاشف مخالفيه فمن هناك قال من خالف الشيعة :أن الرفض مأ خوذ من اليهودية ''

علی علیہ السلام کے شاگردوں (اور متبعین) میں سے علماء کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ

بن سبا یہودی تھا پھر اسلام لے آیا اور علی علیہ السلام سے والہانہ محبت کی، وہ اپنی یہودیت میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون کے بارے میں ایسا کلام کرتا تھا پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد علی علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کہی، سب سے پہلے علی علیہ السلام کی امامت کی فرضیت کا قول اس نے مشہور کیا، اس نے آپ کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیا اور آپ کے مخالفین سے کھلم کھلا دشمنی کی، اس وجہ سے جو شیعہ کا مخالف ہے وہ کہتا ہے: رافضیوں کی اصل یہودیت سے نکالی گئی ہے۔ (فرق الشیعہ للنوبختی ص۲۲)

تنبیہ: یہ نسخہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ مکتبہ مرتضویہ اور مطبعہ حیدریہ نجف (العراق) سے چھپا ہوا ہے۔

۵: شیعوں کے ایک مشہور امام مامقانی نے اسماء الرجال کی کتاب میں لکھا ہے:

''**عبدالله بن سبا ملعون حرقه علیؑ**'' عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔ (تنقیح المقال ج۱ ص۱۸۹ راوی نمبر ۲۷۸۶)

۶: ابوجعفر محمد بن الحسن الطّوسی (متوفی ۴۶۰ھ) نے لکھا ہے:

''**عبدالله بن سبا الذي رجع إلى الكفر و أظهر الغلو**''

عبداللہ بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا۔ (رجال الطّوسی ص۵۱)

۷: حسن بن علی بن داود الحلی نے کہا:

''**عبدالله بن سبا ی [جخ] رجع إلى الكفر و أظهر الغلو [كش] كان يدعى النبوة و أن علياً عليه السلام هو الله ...**''

عبداللہ بن سبا کفر کی طرف لوٹ گیا اور غلو کا اظہار کیا، وہ نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ علی علیہ السلام اللہ ہیں۔ (کتاب الرجال ص۲۵۴، الجزء الثانی)

۸ تا ۱۰: دیکھئے المقالات والفرق لسعد بن عبداللہ الاشعری القمی (ص ۲۱ بحوالہ الشیعۃ والتشیع للأستاذ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ ص۵۹)

قاموس الرجال للتستری (ج۵ ص۴۶۳ بحوالہ الشیعہ والتشیع)

معجم رجال الحدیث للخوئی (ج ۱۰ص ۲۰۰ بحوالہ شیعیت تصنیف ڈاکٹر محمد البنداری، مترجم اردو ص ۵۶)

خلاصۃ التحقیق:

معلوم ہوا کہ اہلِ سنت کی مستند کتابوں اور شیعہ اسماء الرجال کی رُو سے بھی عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں لہٰذا بعض گمراہوں اور کذابین کا چودھویں پندرھویں صدی ہجری میں ابن سبا کے وجود کا انکار کر دینا بے دلیل اور جھوٹ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۱ جون ۲۰۰۸ء)

اہلِ بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں

سوال: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کے اہل بیت کو پاک کر دیا ہے۔ سورۃ الاحزاب (آیت: ۳۳)
اس پاک کرنے کا کیا مطلب ہے کیوں کہ اس آیت کو بنیاد بنا کر ائمہ معصومین کا عقیدہ گھڑا گیا ہے۔ (ایک سائل)

الجواب: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''نزلت فی نساء النبی ﷺ'' یہ آیت خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم و تفسیر ابن کثیر ۳/۴۹۱، دوسرا نسخہ ۵/۱۶۹)

اس کی سند ''حسن'' ہے، اس کے راوی امام عکرمہ اس بات پر مباہلہ کرنے کو تیار تھے کہ اس آیت سے مراد ازواج نبی ﷺ ہیں۔
قرآن کریم سے ثابت ہے کہ بیویاں اہل بیت میں شامل ہوتی ہیں۔ (دیکھیں سورۂ ہود: ۷۱-۷۳)

آیت مذکورہ میں طہارۃ سے معصومین مراد لینا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے نہ تابعین اور نہ ائمہ اہل سنت سے ثابت ہے بلکہ تطہیر سے گناہ، شرک، شیطان، افعالِ خبیثہ اور اخلاقِ ذمیمہ سے طہارت مراد ہے۔ دیکھئے احکام القرآن للقاضی ابی بکر بن العربی ص ۴۲۹
عقیدہ ائمۂ معصومین صرف روافض کا من گھڑت عقیدہ ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

نیموی صاحب کی کتاب: آثار السنن پر ایک نظر

الحمدللّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علٰی رسوله الأمین ،أما بعد :

محمد ظہیر احسن شوق بن سبحان علی نیموی صاحب نے فقہ حنفی کی تائید میں ایک کتاب ''آثار السنن'' مع التعلیق لکھی ہے جسے بعض تقلیدی مدارس میں پڑھایا بھی جاتا ہے۔

آثار السنن کی تعلیق کے شروع میں نیموی صاحب فرماتے ہیں:

''إني رأیت ذات لیلة فی المنام أني أحمل فوق رأسي جنازة النبي علیه الصلوٰة والسلام فعبرت عن هٰذه الرؤیا الصالحة بأن أکون حاملاً لعلمه إن شاء اللّٰه العلام .'' میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ اپنے سر پر اُٹھائے جارہا ہوں پھر میں نے اس نیک خواب کی یہ تعبیر کی کہ میں آپ (ﷺ) کے علم کا حامل بنوں گا۔ ان شاءاللہ (آثار السنن ص ۱۱)

نیموی صاحب نے جو تعبیر بیان کی ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کی اس کتاب سے مذکورہ تعبیر کی تائید ہوتی ہے بلکہ اس خواب کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ نیموی صاحب نے تاویلاتِ فاسدہ، تصحیح احادیثِ ضعیفہ، تضعیف احادیث صحیحہ اور ثقہ وصدوق راویوں پر طعن و تشنیع کے ذریعے سے نبی ﷺ کی احادیث کا جنازہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ (استغفر اللہ)

عبدالغنی نابلسی نامی ایک شخص، جس کا اہلِ بدعت کے نزدیک بڑا مقام ہے نے لکھا ہے کہ

''ومن رأی أنه حمل جنازة: أصاب مالاً حرامًا''

اور جس نے (خواب میں) دیکھا کہ اُس نے جنازہ اُٹھایا ہے تو اُسے حرام مال ملے گا۔

(تعطیر الانام فی تعبیر المنام ص ۱۳۱ رقم ۵۶۶)

اللہ کے فضل وکرم سے راقم الحروف نے عربی زبان میں آثار السنن کا جائزہ اور تحقیق ''انوار السنن'' کے نام سے لکھی ہے اور یہ کتاب مع آثار السنن بعض فارغ التحصیل طلباء کو

پڑھائی بھی ہے جس کا ریکارڈ ہمارے پاس آڈیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہے۔

تدریس کے دوران میں یہ پروگرام بنا کہ علماء، طلباء اور عام لوگوں کے لئے نیموی صاحب کے بعض تناقضات اور علمی اغلاط کو باحوالہ پیش کر دیا جائے تاکہ آثار السنن اور اس کے مصنف کا اصلی چہرہ واضح ہو جائے۔

تنبیہِ بلیغ: حوالہ دیکھنے کے شائقین کی خدمت میں عرض ہے کہ تمام حوالے محمد اشرف دیوبندی کی تصحیح و تحقیق والے نسخے سے مع حدیث نمبر پیش کئے گئے ہیں جسے مکتبہ حسینیہ قذافی روڈ گرجاکھ گوجرانوالہ سے ۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۹۹۱ء کو شائع کیا گیا ہے۔ بعض جگہ دوسرے نسخوں میں ایک دو حدیث کا اختلاف ہوتا ہے لہٰذا حوالہ چیک کرتے وقت اپنے اپنے نسخے میں ایک دو نمبر آگے پیچھے بھی دیکھ لیں تاکہ حوالہ مل جائے۔

تناقضات

نیموی صاحب نے کئی دفعہ ایک ہی راوی کی حدیث کو (جب مرضی کے خلاف تھی تو) ضعیف قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اُسی راوی کی حدیث کو (جو مرضی کے مطابق تھی) صحیح وحسن قرار دیا یا نقل کر کے سکوت کیا ہے، جس کی دس (۱۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد عیسیٰ بن جاریہ تابعی رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے تراویح کی آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں، اس حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

"وفي إسناده لين" اور اس کی سند میں کمزوری ہے۔ (آثار السنن ح ۷۷۳ ص ۳۹۱)

اس کے حاشیے "التعلیق الحسن" میں نیموی صاحب نے عیسیٰ بن جاریہ پر امام ابن معین، امام نسائی، امام ابوداود اور حافظ ابن حجر کی جروح اور ابوزرعہ وابن حبان کی توثیق نقل کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس حدیث کی سند وسط (درمیانے درجے: حسن) سے گری ہوئی ہے۔

دوسرے مقام پر نیموی صاحب نے مسند ابی یعلیٰ (ج ۳ ص ۳۳۵ ح ۱۷۹۹) کی

ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''رواہ أبو یعلی وإسنادہ صحیح''
اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ح ۹۶۰ عن جابر رضی اللہ عنہ)
حالانکہ ابویعلیٰ کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ کا نام صاف صاف لکھا ہوا ہے۔
مؤدبانہ عرض ہے کہ جو راوی آٹھ تراویح والی حدیث میں منکر الحدیث وغیرہ ہے(!) وہ خطبے کے دوران میں ممانعتِ کلام والی حدیث میں کس طرح ''صحیح الحدیث'' ہو گیا ہے؟
تنبیہ: عیسیٰ بن جاریہ کے بارے میں حق یہی ہے کہ وہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۷ص ۱۵تا۲۲، اور میری کتاب ''تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات'' (ج ۱ص ۵۲۵)
۲: جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی العلاء بن صالح نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے آمین بالجہر کہی۔ دیکھئے الخلافیات للبیہقی (قلمی ۱/۵۱، الف)
اس روایت کا جواب دیتے ہوئے نیموی صاحب نے العلاء بن صالح کو ثقہ ثبت راویوں سے باہر نکال کر امام ابن المدینی سے نقل کیا ہے کہ ''روی أحادیث مناکیر'' اس نے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ (دیکھئے آثار السنن، حاشیہ حدیث: ۳۸۴ص ۱۹۵)
دوسرے مقام پر علاء بن صالح کی قنوتِ وتر والی حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''أخرجہ السراج وإسنادہ حسن'' اسے سراج (ص ۴۰۸ح ۱۳۳۳، مسند السراج) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۲۷)
''منکر حدیثیں'' بیان کرنے والا اور ''شیعہ'' راوی اپنی مرضی والی حدیث میں حسن الحدیث ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ!
۳: ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی نامی ایک متروک ومتہم راوی نے حنفیوں کے خلاف ایک روایت بیان کی ہے جس پر جرح کرتے ہوئے نیموی صاحب نے ابن ابی یحییٰ مذکور کو متروک قرار دینے کے ساتھ اس پر کذاب وغیرہ کی جرحیں نقل کی ہیں۔
(آثار السنن حاشیہ حدیث: ۵۲۴ص ۲۶۵)

دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر پر کنکریاں ڈالی تھیں، اسے امام شافعی نے (مسند شافعی ج ا ص ٢١٥ ح ٥٩٩) ''أخبرنا **إبراهيم بن محمد عن جعفر بن محمد عن أبيه**'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

(نیز دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ٣/ ٤١١ مع الجوہر النقی، کتاب الام للشافعی ج ا ص ٢٧٣)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''**وإسناده مرسل جيد**'' اور اس کی سند مرسل اچھی (عمدہ) ہے۔ (آثار السنن: ١١٠٤)

اگر گستاخی نہ ہو تو عرض ہے کہ متروک وکذاب راوی کی مرسل کس طرح جید (اچھی) ہوسکتی ہے؟

٤: جمہور کے نزدیک ایک موثق راوی ابوغالب نے ایک ایسی روایت بیان کی ہے جس سے ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس روایت پر جرح کرتے ہوئے نیموی صاحب نے ابوغالب مذکور پر میزان الاعتدال سے ''فيه شيء'' اور بیہقی سے ''غير قوي'' کی جرح نقل کی ہے۔ (آثار السنن حاشیہ حدیث ٦٠٦ ص ٣١٢)

آگے چلئے، ابوغالب مذکور نے وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتوں والی حدیث بیان کی ہے جس میں سورۂ زلزال اور سورۃ الکافرون کی قراءت کی جاتی ہے۔

نیموی صاحب فرماتے ہیں: ''**رواه أحمد والطحاوي وإسناده حسن**''

اسے احمد (٥/ ٢٦٠) اور طحاوی (شرح معانی الآثار ١/ ٢٣٧، دوسرا نسخہ ١/ ٣٤١) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ٦٧١ عن ابی امامہ رضی اللہ عنہ)

معلوم ہوا کہ ابوغالب مذکور جب ایک وتر والی روایت میں ہوں تو قوی نہیں ہیں اور اگر مرضی والی روایت میں ہوں تو حسن الحدیث ہیں۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے!

٥: عمرو بن مرہ (ثقہ) نے عبداللہ بن سلمہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ ہمیں عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے دوپہر (یا چاشت) کے وقت نماز جمعہ پڑھائی اور فرمایا: مجھے تمھارے بارے میں گرمی کا ڈر تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۰۷ ح ۵۱۳۴ وسندہ حسن)

نیموی صاحب نے اس روایت کو ''لیس بالقوي'' یہ قوی نہیں ہے، کہتے ہوئے عبداللہ بن سلمہ پر تغیر (اختلاط) کی جرح کر دی ہے۔ (آثار السنن: ۹۲۰ عن عبداللہ بن سلمہ الخ)

دوسرے مقام پر یہی نیموی صاحب ایک لمبی روایت جس میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایک وتر پڑھنے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سوال کرنے کا ذکر ہے، کے بارے میں لکھتے ہیں: ''رواه الطحاوي وإسناده حسن'' اسے طحاوی (۱/۲۰۳، دوسرا نسخہ ۱/۲۹۵) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۰۵ عن عبداللہ بن سلمہ الخ)

یاد رہے کہ یہ روایت عبداللہ بن سلمہ سے عمرو بن مرہ ہی نے بیان کر رکھی ہے۔

نیز دیکھئے آثار السنن (ح ۱۰۸)

۶: حسن بن ذکوان نامی ایک راوی نے عن کے ساتھ مروان الاصفر سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف رُخ کر کے پیشاب کیا تھا۔ (سنن ابی داود: ۱۱)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۷۳)

نیموی صاحب دوسری جگہ اپنا لکھا ہوا بھول کر ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: حسن بن ذکوان سچے ہیں، غلطیاں کرتے تھے، ان پر قدریہ میں سے ہونے کا الزام ہے اور وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۷۳۳ ص ۳۶۷ بحوالہ تقریب التہذیب)

عرض ہے کہ جب وہ تدلیس کرتے تھے تو ان کی بیان کردہ (سنن ابی داود: ۱۱، وغیرہ والی) روایت جس میں تصریح سماع نہیں ہے، کیوں کر حسن ہوگئی؟

۷: سعید بن ابی عروبہ مشہور ثقہ مدلس راوی ہیں جنھیں حافظ ابن حجر العسقلانی نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۲/۵۰، ص ۳۹) حالانکہ وہ قول راجح میں طبقۂ ثالثہ میں سے ہیں۔

سعید بن ابی عروبہ کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
''**كثير التدليس رواه بالعنعنة**'' وہ بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے، انھوں نے اسے عن سے روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ح ۵۵۰ کا حاشیہ، ص ۲۸۹)
دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی (تین رکعتوں میں) صرف آخری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(سنن النسائی ۳/۲۳۵، ۲۳۶ ح ۱۷۰۲، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۴۵۷، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۷۴۰)

یہ روایت سعید بن ابی عروبہ نے ''**عن قتادہ عن عزرة عن سعید بن عبدالرحمٰن بن أبزی عن أبیه عن أبی بن کعب**'' کی سند سے بیان کر رکھی ہے اور نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''**رواه النسائي وإسناده حسن**'' اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۶۱۱)

اس میں عبدالعزیز بن خالد کے تفرد سے قطعِ نظر عرض ہے کہ سعید بن ابی عروبہ نے یہ روایت عن کے ساتھ بیان کر رکھی ہے لہٰذا اس کی سند حسن کس طرح ہو گئی جبکہ بقول نیموی سعید بن ابی عروبہ کثیر التدلیس ہیں اور مدلس راوی کے بارے میں نیموی صاحب بذاتِ خود لکھتے ہیں کہ مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی۔
دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۳۵۳ ص ۱۶۰)

۸: امام نعیم بن حماد المروزی ایک مظلوم محدث ہیں جن کے خلاف اہل الرائے جھوٹا پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک ایسی روایت کی سند میں آ گئے جو نیموی صاحب کو پسند نہیں ہے لہٰذا انھوں نے نعیم مظلوم کو شدید جروح کا نشانہ بنایا اور ابن الترکمانی حنفی سے نقل کیا کہ ازدی اور ابن عدی نے اس کے بارے میں کہا: لوگ کہتے ہیں کہ وہ تقویتِ سنت میں حدیث گھڑتا تھا۔ الخ (آثار السنن کی حدیث ۷۷۹ کا حاشیہ، ص ۴۸۹)

ازدی بذاتِ خود ضعیف ہے اور ابن عدی سے یہ جرح ثابت ہی نہیں بلکہ وہ تو امام نعیم بن حماد کا دفاع کرتے تھے۔

دیکھئے میری کتاب ''علمی مقالات'' (ج ا ص ۴۴۹ تا ۴۶۷ عموماً، ص ۴۵۸ خصوصاً)
دوسری طرف حاکم نیشا پوری نے المستدرک (ج ا ص ۳۵۳ ح ۱۳۰۵) میں نعیم بن حماد کی سند سے ایک حدیث بیان کی ہے، جسے نقل کرنے کے بعد نیموی صاحب لکھتے ہیں:
''**رواه الحاكم في المستدرك وقال: حديث صحيح**'' اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا: حدیث صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۱۰۵۱ عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ)
کیسا نرالا اصول ہے کہ نعیم بن حماد رحمہ اللہ ایک روایت میں مجروح اور دوسری میں صحیح الحدیث بن جاتے ہیں۔!

۹: ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
''**ورجاله ثقات إلا يحي بن أبي كثير يدلّس**'' اور اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے یحییٰ بن ابی کثیر کے، وہ تدلیس کرتے تھے۔ (آثار السنن: ۲۰۷ عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)
تھوڑا سا آگے چلیں، اسی آثار السنن میں بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۵۲/۳) ایک روایت مذکور ہے جسے یحییٰ بن ابی کثیر نے عن کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔
نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''**رواه البيهقي و إسناده حسن**'' اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۸۳۹ عن انس رضی اللہ عنہ)

۱۰: قاضی شریک بن عبداللہ الکوفی نے ایک روایت بیان کی ہے جو کہ نیموی صاحب کے مذہب کے خلاف ہے لہٰذا نیموی صاحب نے لیس بالقوی اور لین الحدیث (ضعیف) کہہ کر قاضی شریک کو اپنی جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ (دیکھئے آثار السنن حدیث: ۳۲ مع حاشیہ، ص ۳۱)
روایتِ مذکورہ کے بارے میں نیموی صاحب کہتے ہیں: ''**وإسناده ضعيف ورفعه وهم**'' اور اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا مرفوع ہونا وہم ہے۔ (آثار السنن: ۳۲)
دوسری طرف ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) ابو محذورہ رضی اللہ عنہ اذان دوہری اور اقامت دوہری کہتے تھے۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ا ص ۹۵، دوسرا نسخہ ج ا ص ۱۳۶)
اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''**رواه الطحاوي وإسناده**

حسن ''اسے طحاوی نے روایت کیا ہے اوراس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن:۲۳۹)
نیموی صاحب نے قاضی شریک کی بیان کردہ کچھ اور روایتوں کو بھی حسن قرار دیا ہے۔
دیکھئے آثار السنن: ۲۴۱، ۳۲۰، ۱۰۹۳
کیا انصاف اسی کا نام ہے کہ اگر مرضی کی روایت ہو تو راوی حسن الحدیث یا صحیح الحدیث ہوتا ہے اور اگر مرضی کے خلاف ہو تو وہی راوی ضعیف الحدیث وغیرہ بن جاتا ہے۔؟!
قارئین کرام اس طرح کے اور بھی کئی حوالے ہیں مثلاً:

۱: محمد بن اسحاق بن یسار

(صحح لہ: ۸۳۴، ۹۱۳، حسن لہ: ۳۹، ۲۶۳، ۳۴۹، ۸۴۹، قواہ: ۱۰۸۱، ضعف لہ: ۲۳۲، ۳۵۳، ۹۳۲)

۲: ابوالزبیر (صحح لہ: ۱۸۸، نقل تصحیحہ: ۱۸۷، وقال فیہ: مدلس ۸۶۲)

۳: سفیان بن سعید الثوری (صحح لہ: ۴۰۲، ۵۱۵، رماہ بالتدلیس: حاشیہ حدیث ۳۸۴ ص ۱۹۴)

۴: مطلب بن عبداللہ بن حنطب

(نقل تصحیح ابن خزیمہ لحدیثہ: ۲۹۳، رماہ بالتدلیس حاشیہ حدیث ۶۰۶ ص ۳۱۲)

راویوں کے بارے میں نیموی صاحب کے بعض تناقضات وتعارضات باحوالہ پیش کرنے کے بعد اب ان کی چند علمی خطائیں پیش خدمت ہیں:

ضعیف روایات

آثار السنن میں بہت سی ضعیف ومردود روایات کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے جن میں سے بعض کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک بلی نے ہریسہ نامی ایک حلوے میں سے کھایا پھر بعد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہیں سے کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا۔ (سنن ابی داود: ۷۶)
اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده حسن''
اوراس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۱۳)

حالانکہ اس روایت میں داود بن صالح بن دینار التمار کی ماں مجہولۃ الحال ہے۔اس عورت کے بارے میں ابن الترکمانی (حنفی) محدث طحاوی سے نقل فرماتے ہیں:

وہ اہل علم کے نزدیک معروف نہیں (یعنی مجہولہ/ مجہول) ہے۔ (الجوہر النقی ج ۱ ص ۲۴۸)

۲: نیموی صاحب نے سنن ابی داود (۳۸٦) کی ایک روایت کو ''وإسناده حسن'' لکھا ہے۔ (آثار السنن: ۵۷)

حالانکہ اس روایت میں محمد بن کثیر الصنعانی المصیصی ضعیف راوی ہے اور خود نیموی صاحب نے اس پر کئی محدثین سے جرح (اور بعض سے توثیق) نقل کی ہے۔

دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ٦۰٦ ص ۳۱۲)

۳: ایک روایت میں آیا ہے کہ جب تُو وضو کرے تو بسم اللہ اور الحمد للہ کہہ الخ (المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۷۳)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ہیثمی سے نقل کیا ہے۔

''إسناده حسن'' (آثار السنن: ۱۲۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری نامعلوم و مجہول ہے۔

۴: ابوعمرو الندبی بشر بن حرب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''رواه أحمد وإسناده حسن''

اسے احمد (۲/ ۵۰ ح ۵۱۱۲) نے بیان کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (آثار السنن: ۹۳)

یہ روایت امام احمد کی سند سے خطیب بغدادی کی کتاب موضح اوہام الجمع والتفریق (۲/۲) میں بھی موجود ہے۔اس روایت کا بنیادی راوی بشر بن حرب (جمہور محدثین کے نزدیک) ضعیف ہے۔دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (٦۸۱) اور تہذیب الکمال (۱/ ۳۴۹)

زیلعی حنفی نے نصب الرایہ (۲/ ۱۳۴) میں بشر بن حرب الندبی پر جرح نقل کی ہے۔

۵: سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مصنف ابن ابی شیبہ (۲/ ۴۱۲ ح ۸۲۷۷) کی ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''وإسناده صحيح ''اوراس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن:۵۳۵)

حالانکہ اس کا راوی ابو سعد شرحبیل بن سعد المدنی الا نصاری جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ہیثمی فرماتے ہیں: ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا اور جمہور اماموں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد ۴/ ۱۱۵)

۶: صبح کی دوسنتیں پڑھنے کی تاکید میں ایک روایت سنن ابی داود (۱۲۵۸) اور مسند احمد (۴۰۵/۲) میں آئی ہے، جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:

''وإسناده صحيح'' (آثار السنن:۴۰۸)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں (جابر یا عبدربہ) ابن سیلان مجہول الحال ہے جسے سوائے ابن حبان کے کسی نے ثقہ قرار نہیں دیا۔ حافظ ذہبی نے اسے لایعرف اور ابن القطان الفاسی نے ''حاله مجهولة'' قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ حافظ ابن حبان کو خود نیموی صاحب نے متساہل قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن حاشیہ حدیث:۳۵۴ ص ۱۶۳

اس کے باوجود صرف متساہل کی اکیلی توثیق پر اعتماد کر کے نیموی صاحب احادیث کو صحیح یا حسن قرار دیتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے ح ۱۳۱، ۱۴۹، ۱۵۰، ۶۸۲، ۶۴۸، ۷۷۱، ۹۹۵)

۷: لیث بن ابی سلیم نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے، جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده صحيح'' (آثار السنن:۸۷۴)

حالانکہ لیث بن ابی سلیم کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸، ۲۳۰، ۴۱۷، ۱۹۰۱، ۲۱۸۹، ۲۹۷۲) البدر المنیر لابن الملقن (۱۰۴/۲) خلاصۃ البدر المنیر (۷۸)

۸: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ رکوع سے پہلے قنوت وتر پڑھتے تھے۔ الخ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۹۹ بتحقیقی)

اس موقوف روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده صحيح'' (آثار السنن: ۶۳۵) حالانکہ اس روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۷

۹:    جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث المعجم الاوسط للطبرانی (۱۵۱/۸ ح۷۳۰۳) میں ہے جس کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''وإسناده صحيح''
(آثار السنن: ۸۸۱عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

اس روایت کی سند میں ضحاک بن حمزہ (صواب: حمرہ) ہے جو کہ ضعیف ہے۔
دیکھئے تقریب التہذیب (۲۹۶۶) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۰:    سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نونو (۹،۹) تکبیریں کہتے تھے، پہلی میں چار اور رکوع والی تکبیر، دوسری میں رکوع سمیت چار تکبیریں۔
دیکھئے المعجم الکبیر (۳۵۰/۹ ح۹۵۱۳)

اس روایت کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں:
''رواه الطبراني في الكبير وإسناده صحيح'' اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۹۹۹عن کردوس الخ)

اس روایت کی سند میں کردوس مجہول الحال ہے اور عبدالملک بن عمیر مدلس ہیں جو اسے عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں۔

لطیفہ: آثار السنن کا ایک نسخہ فیض احمد دیوبندی کی تحقیق سے مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہوا ہے جس کے ص۲۴۰ پر ح۷۵۲ کے حاشیے کی تعلیق پر لکھا ہوا ہے:
''لكن عبد الملك ابن عمير ربما دلس كما في التقريب وقد عنعنه فلا يدرى أنه سمعه من جابر أو بينهما رجل''
لیکن عبدالملک بن عمیر بعض اوقات تدلیس کرتے تھے جیسا کہ تقریب میں ہے اور یہ روایت انھوں نے عن سے بیان کی ہے لہٰذا پتا نہیں کہ انھوں نے یہ جابر (بن یزید) سے سُنی ہے یا ان کے درمیان کوئی (دوسرا) آدمی ہے۔ (ص۲۴۰)
نیموی اصول کی رُو سے ایک ہی راوی کبھی مدلس ہوتا ہے اور کبھی اس کی عن والی روایت بھی صحیح ہوتی ہے۔ سبحان اللہ!

اس طرح کی اور مثالیں بھی ہیں جن میں ضعیف روایات کو نیموی صاحب نے حسن یا صحیح کہا ہے بلکہ بعض اوقات انھوں نے موضوع روایات کو بھی بطورِ استدلال ذکر کیا ہے، جس کی دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: مسند بزار (کشف الاستار ۱/۳۰۱ح ۶۲۴) میں یوسف بن خالد (السمتی) کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے:

''**إسناده حسن**'' (آثار السنن: ۴۳)

اس یوسف بن خالد السمتی کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

''**كذاب خبيث عدو الله رجل سوء، يخاصم في الدين، لا يحدث عنه أحد فيه خير، رأيته مالا أحصي بالبصرة**''

کذاب، خبیث، اللہ کا دشمن (اور) بُرا آدمی ہے، یہ دین میں جھگڑا کرتا ہے، جس میں خیر ہے وہ اس سے حدیث بیان نہیں کرتا، میں نے اسے بے شمار دفعہ بصرہ میں دیکھا ہے۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۴۵۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے حافظ ابن حجر نے تساہل کا شکار ہو کر حسن کہہ دیا ہے اور نیموی صاحب نے آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید کی ہے۔

۲: ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن ہر مسلمان کو بخش دیتا ہے۔

(الاوسط للطبرانی ۵/۴۱۲ ح ۴۸۱۴)

اس روایت میں امام طبرانی سے ابو عمار اور ابو عروہ کے تعین میں غلطی ہوئی ہے۔

ابو عمار سے مراد زیاد بن میمون البصری ہے۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (۳/۱۰۴۴)

ابو عمار زیاد بن میمون الفاکہی کے بارے میں امام یزید بن ہارون نے کہا: **و كان كذابًا** إلخ اور وہ جھوٹا تھا۔ (الجرح والتعدیل ۳/۵۴۴ وسندہ صحیح)

لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سند میں ابو عروہ مجہول و نامعلوم ہے۔

صحیح احادیث پر حملہ

نیموی صاحب نے راویوں کے بارے میں تناقضات اور ضعیف ومردود روایات کی تصحیح کے ساتھ صحیح احادیث کو بھی ضعیف ومضطرب قرار دینے کی جسارت فرمائی ہے مثلاً:

۱: ایک دفعہ نبی ﷺ نماز میں بھول گئے تو ذوالیدین (خرباق رضی اللہ عنہ) نے آپ کو بتایا تھا اور لوگوں نے ان کی تصدیق کی تھی ، یہ حدیث صحیحین (صحیح بخاری :۴۸۲، صحیح مسلم :۵۷۳) میں موجود ہے۔اس صحیح حدیث پر حملہ کرتے ہوئے نیموی صاحب لکھتے ہیں:

یہ روایت اگرچہ صحیحین میں ہے لیکن کئی وجہ سے مضطرب (یعنی ضعیف) ہے۔

(آثار السنن:۵۵۰)

۲: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے اونچی آواز سے آمین کہی۔(سنن ابی داود:۹۳۲)

اس حدیث کو سلمہ بن کہیل رحمہ اللہ سے درج ذیل راویوں نے بیان کیا ہے:

۱: سفیان ثوری (آمین بالجہر)

۲: علاء بن صالح (آمین بالجہر)

۳: علی بن صالح رایک روایت میں (آمین بالجہر)

۴: یحییٰ بن سلمہ بن کہیل رمتروک ومجروح (آمین بالجہر)

۵: شعبہ بن الحجاج (آمین بالسر) اور ایک روایت میں آمین بالجہر

سفیان ثوری کی بیان کردہ درج بالا حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا: حسن

(سنن الترمذی:۲۴۸)

امام دارقطنی نے صحیح قرار دیا۔ (سنن الدارقطنی ۱/۳۳۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے صحیح کہا۔ (التلخیص الحبیر ۱/۲۳۶)

مگر نیموی صاحب امام شعبہ کے اختلاف کی وجہ سے اسے "وھو حدیث مضطرب"

لکھتے ہیں یعنی یہ حدیث مضطرب (ضعیف) ہے۔ (آثار السنن: ۳۷۷)
آگے جا کر یہی نیموی صاحب امام شعبہ کی روایت کے بارے میں تدلیسانہ انداز میں لکھتے ہیں: ''**وإسناده صحيح وفي متنه اضطراب**'' اور اس کی سند صحیح ہے اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔ (آثار السنن: ۳۸۴)

عرض ہے کہ اگر متن میں اضطراب ہے تو سند صحیح نہیں ہے اور اگر سند صحیح ہے تو متن میں اضطراب کہاں سے آ گیا؟ یاد رہے کہ نیموی صاحب فرماتے ہیں: ''**الاضطراب يورث الضعف**'' اضطراب سے ضعیف ہونا نکلتا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۷ حدیث ۵ کا حاشیہ)
اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً فاتحہ خلف الامام کی ایک صحیح حدیث محمد بن ابی عائشہ (ثقہ تابعی) عن رجل من اصحاب النبی ﷺ کی سند سے مروی ہے۔ (مسند احمد ۵/۶۰)
اس حدیث کے بارے میں نیموی صاحب لکھتے ہیں: ''**وإسناده ضعيف**'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ۳۵۶)

دوسری طرف محمد بن اسحاق بن یسار کی محمد بن جعفر عن عروہ بن زبیر کی سند سے ''**عن امراة من بني النجار**'' والی روایت کے بارے میں نیموی صاحب نے حافظ ابن حجر سے ''**إسناده حسن**'' نقل کیا ہے۔ (آثار السنن: ۲۶۳)

مبلغِ علم

نیموی صاحب نے استدلال کرتے ہوئے کئی ضعیف و مردود روایات کی تصحیح نقل کر کے طلباء و عوام کی خدمت میں پیش کر دی ہیں مثلاً:

۱: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سلام پھیرنے کے بعد سورۃ الصّٰفّٰت کی آخری تین آیتیں پڑھتے تھے۔
(مسند ابی یعلیٰ ۲/۳۶۳ ح ۱۱۱۸، المقصد العلیٰ فی زوائد ابی یعلیٰ للہیثمی ۱/۱۴۴ ح ۲۹۹)
یہ روایت بیان کرنے کے بعد نیموی صاحب حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد ۲/۱۴۷، ۱۴۸) سے نقل

کرتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (آثار السنن: ۹ ۴۷)

عرض ہے کہ یہ روایت ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی نے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے نہ کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابو ہارون سخت مجروح راوی ہے۔ اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے گواہی دی: ''وکان عندھم لا یصدق في حدیثه'' اور وہ ان (محدثین) کے نزدیک اپنی حدیثوں میں سچا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ عباس الدوری: ۳۶۲۴)

امام حماد بن زید نے کہا: ابو ہارون العبدی کذاب تھا۔ الخ (الجرح والتعدیل ۶/ ۳۶۴ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے جسے غلطی سے حافظ ہیثمی نے ''رجاله ثقات'' لکھ دیا ہے اور نیموی صاحب نے بغیر تحقیق کے ان کی پیروی کی ہے۔

۲: سیدنا شیبان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک حدیث میں صبح کی اذان، مؤذن اور سحری کا ذکر ہے جسے طبرانی (المعجم الکبیر ۷/ ۳۱۲ ح ۷۲۲۸) نے روایت کیا ہے۔

نیز دیکھئے نصب الرایہ (۱/ ۲۸۹) اور مجمع الزوائد (۳/ ۱۵۳)

نیموی صاحب نے اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر سے بحوالہ الدرایہ (۱/ ۱۲۰) نقل کیا ہے کہ ''إسناده صحیح'' (آثار السنن: ۲۶۰)

عرض ہے کہ اسے قیس بن ربیع نے اشعث بن سوار سے، اشعث بن سوار نے عن یحییٰ بن عبادہ عن جدہ شیبان کی سند سے روایت کیا ہے۔ قیس بن ربیع سے قطع نظر کرتے ہوئے اشعث بن سوار ضعیف راوی ہے۔ مثلاً دیکھئے تقریب التہذیب (۵۲۴) اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أشعث بن سوار ضعیف الحدیث'' (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۱/ ۲۹۴ ت ۱۱۴۶)

اس طرح کی مثالیں اور بھی ہیں لیکن ہمارا یہ مضمون طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے لہٰذا اختصار کے پیشِ نظر چند باتیں پیش کر کے اس تحقیقی مضمون کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔

۱: نیموی صاحب نے ایک اصول بنایا ہے کہ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن کے درجے

سے نہیں گرتی۔ دیکھئے آثار السنن (ص۱۰۱ حاشیہ حدیث:۲۱۸)

دوسری طرف انھوں نے بہت سی ایسی احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے جن کے راوی مختلف فیہ ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں مثلاً کامل بن العلاء ابوالعلاء، محمد بن اسحاق بن یسار، اسامہ بن زید اللیثی اور عبیداللہ بن عمرو الرقی وغیرہم۔

۲: نیموی صاحب کو کئی جگہ حوالوں کی غلطیاں بھی لگی ہوئی ہیں مثلاً:

۱: نیموی صاحب فرماتے ہیں: ''مارواه البخاري فيه أي في صحيحه ...''

جو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (آثار السنن ص۲۶۷ حاشیہ حدیث:۵۳۰)

حالانکہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے۔

۲: نیموی صاحب نے '' رمقت النبي ﷺ شهراً'' والی حدیث کو سوائے نسائی کے کتب خمسہ (سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد) کی طرف منسوب کیا ہے۔ (آثار السنن: ۷۰۱ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

حالانکہ یہ روایت سنن ابی داود میں موجود نہیں ہے اور حافظ مزی نے بھی اسے صرف ترمذی، النسائی اور ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاشراف (۲۹/۶ ح۷۳۸۸)

لیکن یاد رہے کہ ایسی اخطاء، اوہام، اور سہو کی وجہ سے فریق مخالف کو کذاب وغیرہ کہنا غلط، زیادتی اور ظلم ہے کیونکہ اخطاء واوہام سے کوئی اُمتی معصوم نہیں ہے۔

۳: الحسین بن الفضل البجلی نے صحیح سند کے ساتھ مشہور ثقہ تابعی عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ تین وتر پڑھتے تو ان کے درمیان نہ بیٹھتے اور تشہد صرف آخری رکعت میں پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ ص۲۹ بحوالہ الحاکم)

مستدرک الحاکم کے مطبوعہ نسخے (۳۰۵/۱ ح۱۱۴۲) میں غلطی سے الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل چھپ گیا ہے جسے نیموی صاحب نے شدید جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص۳۲۲ حدیث:۶۲۵ کا حاشیہ)

حسن بن فضل الزعفرانی البوصرائی ۲۸۰ھ میں فوت ہوا تھا (تاریخ الاسلام للذہبی ۳۳۴/۲۰،

لسان المیزان ۲/۲۴۴، دوسرا نسخہ ۲/۳۵۳) جبکہ الحسین بن الفضل البجلی رحمہ اللہ ۲۸۲ھ یا ۲۸۳ھ کو فوت ہوئے تھے اور محمد بن صالح بن ہانی نے ان کا جنازہ پڑھایا تھا۔
دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۱/۱۶۴) سیر اعلام النبلاء (۱۳/۴۱۶)
مستدرک میں محمد بن صالح بن ہانی کی الحسین بن الفضل البجلی سے تیس (۳۰) سے زیادہ روایتیں ہیں جن میں سے کئی کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۱۹۰ ح ۶۸۲، ج ۲ ص ۱۴۲ ح ۲۲۳۰، ج ۲ ص ۲۵۱ ح ۲۹۹۳، ج ۲ ص ۲۸۹ ح ۳۱۴۳ وغیرہ۔
بعض روایات حسین بن فضل البجلی نے سلیمان بن حرب سے بیان کر رکھی ہیں۔
مثلاً دیکھئے المستدرک ج ۲ ص ۴۳۴ ح ۳۶۲۵، ج ۴ ص ۵۷۱ ح ۲۴۲ ۷۳
یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ مستدرک کے مطبوعہ نسخے میں بعض جگہ الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل البجلی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۵۶ ح ۱۸۵، ج ۲ ص ۲۲۱ ح ۲۸۷۵، ج ۳ ص ۶۱۹، ۶۲۰ ح ۶۶۰۰) اور اتحاف المہرة للحافظ ابن حجر (۱۴/۳۷۳ ح ۱۸۰۳۱، ۱۱/۶۰ ح ۱۳۶۹۰)
نیموی صاحب نے روایتِ مذکورہ کی تحقیق کے بغیر الحسن بن الفضل الزعفرانی البوصرائی پر جرح کر دی ہے۔ دیکھئے آثار السنن (حاشیہ حدیث: ۶۲۵ ص ۳۲۲)
حالانکہ یہ راوی الزعفرانی نہیں بلکہ البجلی ہے اور جمہور کے نزدیک موثق ہے۔ اس کے حالات کے لئے لسان المیزان (۲/۳۰۷۔۳۰۸) اور سیر اعلام النبلاء (۱۳/۴۱۴۔۴۱۶) وغیرہما دیکھیں لہٰذا یہ سند حسن لذاتہ ہے۔
خلاصۃ التحقیق: اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالحئی لکھنوی صاحب کے شاگردشوق نیموی صاحب نے آثار السنن کی تصنیف میں انصاف و تحقیق سے کام نہیں لیا بلکہ مذہبی تعصب کی بنیاد پر جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۴/ جون ۲۰۰۸ء)

مصنف: حافظ ابن کثیر مترجم: حافظ زبیر علی زئی

اختصارُ علومِ الحدیث (قسط نمبر۲)

(۲) دوسری قسم: الحسن

جمہور کے نزدیک یہ (الحسن لذاتہ) صحیح کی طرح قابلِ حجت ہے۔

حقیقت میں نہیں بلکہ دیکھنے والے کی نظر میں یہ قسم صحیح اور ضعیف کے درمیان ہے لہٰذا اس فن (علمِ حدیث) کے بہت سے ماہرین پر اس کی تعریف اور ضبط مشکل ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ نسبتی معاملہ ہے، ایک چیز ایک حافظِ حدیث کے نزدیک جرح ہوتی ہے (لیکن) کبھی کبھار اس کی عبارت (اسے بیان کرنے سے) قاصر رہتی ہے۔

بہت سے علماء نے اس کی تعریف بیان کرنے پر زور لگایا ہے۔

خطابی نے کہا: جس کا مخرج (سند) معلوم ہو اور اس کے راوی مشہور ہوں۔ (معالم السنن ۱/۱۱)

(ابن الصلاح نے) کہا: اکثر حدیثوں کا دارومدار اسی پر ہے، جمہور علماء اسے قبول کرتے ہیں اور عام فقہاء اسے (اپنے دلائل میں) استعمال کرتے ہیں۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: اگر اس کی تعریف ''جس کا مخرج معلوم ہو اور اس کے راوی مشہور ہوں'' کا قول ہے تو صحیح حدیث (بھی) اسی طرح ہوتی ہے بلکہ ضعیف بھی اسی طرح ہوتی ہے اور اگر باقی کلام سے تعریف مکمل ہوتی ہے تو یہ کلام کہ اکثر حدیثیں حسن کی قسم سے ہیں، قابلِ قبول نہیں ہے اور نہ اسے اکثر علماء قبول کرتے ہیں اور نہ عام فقہاء اسے استعمال کرتے ہیں۔

[ترمذی کا حسن کی تعریف کرنا]

ابن الصلاح نے کہا: ہمیں ترمذی سے روایت پہنچی ہے کہ وہ حسن سے یہ مراد لیتے ہیں: ''اس کی سند میں متہم بالکذب راوی نہ ہو، حدیث شاذ نہ ہو اور دوسری سند سے بھی اسی طرح مروی ہو۔''

(ابن کثیر نے کہا:) اگر یہ ترمذی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے تو کس کتاب میں کہا ہے؟ اور اس کی سند کہاں ہے؟[1] اور اگر انھوں (ابن الصلاح) نے ترمذی کی کتاب الجامع (السنن) کی اصطلاح سے سمجھا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ بہت سی احادیث میں کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے ہی جانتے ہیں۔''

[حسن کی دوسری تعریفات]

شیخ ابوعمرو ابن الصلاح رحمہ اللہ نے کہا: بعض متاخرین (ابن الجوزی) نے کہا: جس حدیث میں (تھوڑا) ضُعف قابلِ احتمال ہو، وہ حدیث حسن ہے اور اس پر عمل کرنا ٹھیک ہے۔

پھر شیخ (ابن الصلاح) نے کہا: یہ سب چیزیں مبہم ہیں، ان سے تشفی نہیں ہوتی۔ ترمذی اور خطابی نے جو بیان کیا ہے اُس سے حسن کا صحیح سے علیحدہ ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے اس کی بحث وتحقیق میں خوب غور کیا تو مجھ پر صاف واضح ہوا کہ حسن کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ روایت جس کے راویوں میں ایسے مستور ہیں جن کی ثقاہت ثابت نہیں ہے لیکن وہ کثیر الخطأ غافل اور متہم بالکذب نہیں ہیں۔ اس حدیث کا متن یا مفہوم دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس طرح یہ روایت شاذ اور منکر کے درجے سے خارج ہے۔

پھر (ابن الصلاح نے) کہا: ترمذی کا کلام اسی پر محمول ہے۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: ہم نے جو بیان کر دیا ہے اُس کی وجہ سے اس کلام کو اس پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دوم: اس کا راوی صدق (سچائی) اور امانت کے ساتھ مشہور ہو اور حفظ واتقان (وثقاہت) میں صحیح حدیث کے راویوں کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔ اس کی منفرد روایات کو منکر نہ سمجھا جاتا ہو اور روایت کا متن شاذ یا معلول نہ ہو۔ (ابن الصلاح نے) کہا: خطابی کا کلام اسی پر محمول ہے۔ (ابن الصلاح نے) کہا: ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے دونوں

---

(۱) ترمذی کا یہ کلام ان کی کتاب العلل المطبوع مع الجامع ۷۵۸/۵ (وشرح ابن رجب ۳۴۰/۱) میں موجود ہے۔ والحمدللہ

(ترمذی وخطابی) کے کلام میں تطبیق ہوجاتی ہے۔[۱] شیخ ابوعمرو (ابن الصلاح) نے کہا: حدیث کی بہت سی سندوں سے مروی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حسن ہے جیسے کہ "**الأذنان من الرأس**" (دونوں کان سر میں سے ہیں) والی حدیث ہے کیونکہ ضُعف کے درجے مختلف ہیں، ان سے بعض ضُعف متابعات سے زائل نہیں ہوتا یعنی شدید ضعف والی روایت تابع ہو یا متبوع، اس سے کوئی اثر نہیں ہوتا جیسے کذابین ومتروکین کی روایات (ہر لحاظ سے مردود ہیں) بعض ضعف متابعت سے زائل ہوجاتا ہے جیسا کہ راوی سیئ الحفظ (بُرے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل مروی ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہوکر حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم

[حسن حدیث کی پہچان میں سنن ترمذی اصل ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: حدیثِ حسن کی پہچان میں سنن الترمذی اصل ہے، انھوں نے ہی اسے مشہور کیا ہے اور یہ (حدیثِ حسن) دوسرے لوگوں (یعنی) ان کے استادوں (اور ان سے پہلے طبقے) مثلاً احمد (بن حنبل)[۲] اور بخاری کے کلام میں پائی جاتی ہے اور اسی طرح بعد والے (علماء) مثلاً دار قطنی کے کلام میں یہ موجود ہے۔

[سنن ابی داود حسن حدیث کے مراجع و مآخذ میں سے ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: حسن حدیث کے مراجع و مآخذ میں سے سنن ابی داود (بھی) ہے۔

ہمیں ابوداود سے روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے اس (کتاب) میں صحیح، ان سے مشابہ اور قریب روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں شدید ضعف تھا میں نے اسے بیان

(۱) جس راوی پر بعض محدثین نے جرح کی ہو لیکن جمہور محدثین نے اس کی توثیق کردی ہو تو ایسے راوی کی متصل روایت حسن لذاتہ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ شاذ ومعلول نہ ہو اور اس خاص روایت میں راوی کا وہم وخطا کرنا ثابت نہ ہو۔

(۲) امام احمد بن حنبل امام ترمذی کے استاذ نہیں ہیں، ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں کہا ہے: "**ویوجد في متفرقاتٍ من کلام بعض مشائخه والطبقة التي قبله کأحمد والبخاري وغیرهما**" (ص۳۲)

کر دیا اور جس کے بارے میں مَیں نے کچھ نہیں کہا وہ صالح ہے، بعض روایتیں دوسری روایتوں سے زیادہ صحیح ہیں۔ (الرسالۃ الیٰ اہل مکۃ لابی داود ص۲۲)

(ابن الصلاح نے) کہا: اور ابوداود سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے علم کے مطابق ہر باب میں صحیح ترین روایت بیان کر دی ہے۔ میں (ابن کثیر) نے کہا: ابوداود سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: اور جس روایت سے میں سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔

ابن الصلاح نے کہا: پس ہم سنن ابی داود میں جو روایت جرح کے بغیر پائیں اور وہ صحیحین میں موجود نہ ہو اور کسی نے اسے صحیح بھی نہ کہا ہو تو وہ ابوداود کے نزدیک حسن ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: ابوداود سے سنن کی بہت سی روایات مروی ہیں۔ بعض روایتوں میں ایسا کلام بلکہ احادیث موجود ہیں جو دوسری روایتوں میں نہیں ہیں۔

ابوعبید الآجری (مجہول الحال) نے ایک مفید کتاب لکھی ہے جس میں اس نے جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف میں ابوداود سے سوالات کئے ہیں۔ ان میں سے حدیثیں اور راوی ہیں جنھیں انھوں نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے پس ان کا قول ''اور میں جس سے سکوت کروں وہ (میرے نزدیک) حسن ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے صرف سنن ابی داود میں یا مطلقاً سکوت مراد ہے؟ اس کے لئے تنبیہ اور بیداری ضروری ہے۔[1]

[بغوی کی کتاب المصابیح]

(ابن الصلاح نے) کہا: (الحسین بن مسعود) بغوی اپنی کتاب ''المصابیح'' میں جو ذکر کرتے ہیں کہ ''صحیح حدیث وہ ہے جسے بخاری و مسلم یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے روایت کیا ہے اور حسن وہ حدیث ہے جسے ابوداود و ترمذی اور ان جیسوں نے روایت کیا ہے۔'' ان کی خاص اصطلاح ہے جسے ان (بغوی) کے علاوہ کسی دوسرے نے ذکر نہیں کیا ہے۔

....

(۱) ابن الصلاح کا مذکورہ بالا قول صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ابوداود کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

نووی نے ان پر اس (اصطلاح) میں انکار کیا ہے کیونکہ بعض ایسی روایات منکر ہیں۔

[(بظاہر) صحتِ سند سے صحتِ حدیث لازم نہیں ہے]

(ابن الصلاح نے) کہا: کسی سند پر (ظاہر کے لحاظ سے) صحیح یا حسن کا حکم لگانے سے متن پر (صحیح و حسن کا) حکم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ متن شاذ یا معلول ہوسکتا ہے۔ (۱)

[ترمذی کا ''حسن صحیح'' کہنا]

(ابن الصلاح نے) کہا: ترمذی کا یہ کہنا ''ھذا حدیث حسن صحیح'' مشکل ہے کیونکہ ان (حالتوں) کا ایک حدیث میں اکٹھا ہوجانا مشکل و ناممکن ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ (حسن صحیح) دو سندوں (۱) حسن (۲) صحیح کے لحاظ سے ہے۔!

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں: یہ اس لئے مردود ہے کہ ترمذی بعض احادیث کے بارے میں کہتے ہیں: ''یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔''

بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث متن کے لحاظ سے حسن اور سند کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہے۔!

اس میں بھی نظر ہے کیونکہ وہ (ترمذی) صفتِ جہنم، حدود و قصاص وغیرہ والی روایتوں کے بارے میں ایسا کلام کرتے ہیں۔

میرے سامنے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حسن کو صحیح میں اور صحیح کو حسن میں ملا دیتے ہیں، اس لحاظ سے وہ جس کو ''حسن صحیح'' کہتے ہیں وہ روایت ان کے نزدیک حسن سے بلند اور صحیح سے نیچے ہوتی ہے۔ ان کا کسی حدیث کو محض صحیح کہنا ''حسن صحیح'' کہنے کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے۔ واللہ اعلم

---

(۱) سندِ حدیث پر ماہر محدث کا ''سندہ صحیح لذاتہ'' یا ''سندہ حسن لذاتہ'' کا حکم لگا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث کا متن بھی بالکل صحیح اور موجبِ عمل و ایمان ہے۔ اس حکم سے صرف وہی حدیث مستثنیٰ ہے جس کا شاذ، معلول اور ضعیف و مردود ہونا اُصولِ حدیث اور محدثینِ کرام سے ثابت ہوجائے۔ جس سند میں وجۂ ضعف ہی موجود نہیں ہے تو اس کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

صحیح الاقوال فی استحباب صیام ستۃ من شوال

[شوال کے چھ روزے صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہیں لیکن حال ہی میں کراچی کے مفتی زرولی خان دیوبندی نے ''احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال'' (شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق) نامی کتابچہ لکھ کر عوام میں یہ تأثر پھیلانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ یہ احادیث غیر صحیح اور غیر صریح ہیں۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے بروقت قلم اُٹھا کر مفتی صاحب کی تحریر کا زبردست محاسبہ کیا ہے بلکہ ساتھ ہی صحیح مؤقف کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً / حافظ ندیم ظہیر]

الحمد للّٰه رب العالمین و الصلوٰة و السلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد :

سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ .))

جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس نے شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے (کے ثواب) کی طرح ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۴، دارالسلام: ۲۷۵۸، صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۲۶ / ۳۶۳۴، صحیح ابی عوانہ: القسم المفقو د ص ۹۴، ۹۵، سنن الترمذی: ۷۵۹ وقال: ''حدیث حسن صحیح'' شرح السنۃ للبغوی ۶/ ۳۳۱ ح ۱۷۸۰، وقال: ''ھذا حدیث صحیح'')

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

① امام مسلم ② امام ابن خزیمہ ③ امام ترمذی ④ حافظ ابوعوانہ
⑤ حافظ ابن حبان ⑥ حافظ حسین بن مسعود البغوی رحمہم اللہ

میرے علم کے مطابق کسی امام سے اس روایت کو ضعیف قرار دینا ثابت نہیں ہے۔

اب اس حدیث کے راویوں کا مختصر و جامع تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

۱: سیدنا ابوایوب خالد بن زید الانصاری رضی اللہ عنہ مشہور بدری صحابی ہیں جو (دورِ صحابہ کے آخری) غزوۂ قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

۲: عمر بن ثابت بن الحارث الخزرجی الانصاری المدنی رحمہ اللہ

حافظ ابن حبان نے آپ کو کتاب الثقات (۱۴۹/۵) میں ذکر کیا۔ امام عجلی نے کہا: مدنی تابعی ثقہ (تاریخ العجلی :۱۳۳۳) ابن شاہین نے انھیں کتاب اسماء الثقات (۶۹۳) میں ذکر کیا۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، حافظ ابوعوانہ اور حافظ بغوی نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دے کر ان کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: ثقہ (تقریب التہذیب:۴۷۸۰)

فائدہ: اگر کوئی محدث کسی حدیث کو (مطلقاً) صحیح کہے تو یہ اس کی طرف سے اس حدیث کے ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔

۱: ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) لکھتے ہیں:

"وفي تصحيح الترمذي إياه توثيقها و تو ثيق سعد بن إسحاق ولا يضر الثقة أن لايروي عنه إلا واحد، والله أعلم"

اس حدیث کو ترمذی کا صحیح کہنا اس (زینب بنت کعب) اور سعد بن اسحاق کی توثیق ہے۔ ثقہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اُس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہے۔ واللہ اعلم

(بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ج ۵ ص ۳۹۵ ح ۲۵۶۲، نصب الرایہ للزیلعی ۲۶۴/۳)

۲: تقی الدین بن دقیق العید نے کتاب الامام میں کہا: "**وأي فرق بين أن يقول: هو ثقة أو يصحح له حديث انفرد به**" اس میں کیا فرق ہے کہ راوی کو ثقہ کہے یا اس کی منفرد حدیث کو صحیح کہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۱۴۹)

جمہور کی اس توثیق کے مقابلے میں عمر بن ثابت تابعی رحمہ اللہ پر کسی محدث کی جرح ثابت نہیں ہے اور اگر ایک دو سے جرح ثابت بھی ہو جاتی تو جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود تھی۔

تنبیہ نمبر ۱: عمر بن ثابت نے یہ روایت سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم :۱۱۶۴، ترقیم دارالسلام: ۲۷۵۹، ۲۷۶۰

تنبیہ نمبر ۲: محمد زرولی دیوبندی تقلیدی نے بغیر کسی دلیل کے لکھا ہے: "اور طبرانی کی

روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے۔'' (احسن المقال فی کراہیۃ صیام ستۃ شوال ص ۲۶)

زرولی تقلیدی کا یہ قول امام مسلم، امام عجلی اور امام ترمذی وغیرہم کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

زرولی نے روایتِ مذکورہ کے بارے میں لکھا ہے: ''جبکہ خود امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح کے بجائے صرف حسن درجہ کا تسلیم کیا ہے۔'' (احسن المقال ص ۲۵) حالانکہ امام ترمذی نے ''**حديث أبي أيوب حديث حسن صحيح**'' لکھا ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی مع العرف الشذی (ص ۱۵۸ ج ۱) دوسرا نسخہ (ج ۱ ص ۹۴) معارف السنن (ج ۵ س ۴۴۴) تحفۃ الاحوذی (ج ۲ ص ۵۹)

سنن ترمذی کے بعض نسخوں میں حسن کا لفظ بھی ہے۔ واللہ اعلم

عمر بن ثابت رحمہ اللہ سے یہ حدیث درج ذیل راویوں نے بیان کر رکھی ہے:

۱: سعد بن سعید بن قیس (صحیح مسلم: ۱۱۶۴/ ۲۷۵۸، سنن الترمذی: ۷۵۹ وقال: ''حسن صحیح'' صحیح ابن خزیمہ: ۲۱۱۴، صحیح ابن حبان: ۳۶۳۴، شرح السنۃ للبغوی: ۱۷۸۰، وقال: ''ھذا حدیث صحیح'' وغیرہ)

۲: صفوان بن سلیم (مسند الحمیدی بتحقیقی: ۳۸۳، نسخہ دیوبندیہ: ۳۸۰)

۳: زید بن اسلم (مشکل الآثار للطحاوی: ۲۳۴۳)

۴: یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری (مسند الحمیدی: ۳۸۲، مشکل الآثار: ۲۳۴۶)

سعد بن قیس مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی وغیرہ نے اُن پر جرح کی ہے لیکن امام مسلم، امام عجلی، ابن سعد، ابن عدی، ابن حبان اور امام ابن خزیمہ وغیرہ جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''**أحد الثقات**'' وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ۵/ ۴۸۲)

ایسا راوی جس کی جمہور محدثین نے توثیق کی ہو وہ حسن الحدیث کے درجے سے کم نہیں ہوتا لہٰذا سعد بن سعید بن قیس حسن الحدیث ہیں۔

تین ثقہ راویوں نے ان کی متابعت کر رکھی ہے:

صفوان بن سلیم (ثقہ مفتی عابد، رمی بالقدر) زید بن اسلم (ثقہ عالم) اور یحییٰ بن سعید الانصاری (ثقہ ثبت) لہٰذا اسعد بن سعید پر تفرد کا الزام باطل ہے۔

صفوان بن سلیم کی روایت درج ذیل کتابوں میں صحیح سند سے موجود ہے:

مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۳۸۳ وسندہ صحیح) سنن ابی داود (۲۴۳۳) السنن الکبریٰ للنسائی (۱۶۳/۲ ح ۲۸۶۳) سنن الدارمی (۱۷۶۱) صحیح ابن خزیمہ (۲۱۱۴) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۶۲۶/۳۶۳۴) شرح مشکل الآثار للطحاوی (۱۲۳/۶ ح ۲۳۴۴) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۳۵/۴، ۱۳۶ ح ۳۹۱۱)

صفوان بن سلیم کے شاگرد عبدالعزیز بن محمد الدراوردی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ سنن ابی داود (۳۵۴) کی ایک روایت کو حافظ ابن حجر نے حسن قرار دیا ہے جس میں دراوردی ہیں اور نیموی تقلیدی نے آثار السنن (۹۰۸ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ) میں اسے نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے۔

حافظ ابن حبان اور امام ابن معین وغیرہما نے ان کی توثیق کی ہے۔

معتدل امام عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مدني ثقة'' (التاریخ للعجلی: ۱۱۱۴)

زید بن اسلم کی روایت درج ذیل کتاب میں صحیح سند سے موجود ہے:

شرح مشکل الآثار (۲۳۴۳ وسندہ صحیح)

اس میں عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ثقہ صدوق ہیں، ان کے شاگرد سعید بن منصور ثقہ حافظ ہیں اور ان کے شاگرد یوسف بن یزید بن کامل القراطیسی ثقہ ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۸۹۳)

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری کی روایت درج ذیل کتابوں میں حسن سند سے موجود ہے:

السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶ وقال: ''عتبہ ھذا لیس بالقوی'') مشکل الآثار (۲۳۴۶) المعجم الکبیر للطبرانی (۱۳۶/۴ ح ۳۹۱۵) مسند الحمیدی (۳۸۴)

یحییٰ بن سعید الانصاری سے یہ حدیث دو راویوں نے بیان کی ہے:

۱: عبدالملک بن ابی بکر (بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام) ثقہ ہیں۔

(تقریب التہذیب: ۴۱۶۷)

دیکھئے السنن الکبریٰ للنسائی (۲۸۶۶ وتکلم فی عتبہ بن ابی حکیم)

عبدالملک بن ابی بکر سے یہ حدیث عتبہ بن ابی حکیم نے بیان کی ہے۔

عتبہ بن ابی حکیم مختلف فیہ راوی ہیں لیکن جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے لہٰذا ان پر امام نسائی کی جرح صحیح نہیں ہے۔

تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: ''بل: **صدوق حسن الحدیث**...''

بلکہ وہ صدوق حسن الحدیث ہیں۔ (۴۲۹/۲ ت ۴۴۲۷)

لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

۲: اسماعیل بن ابراہیم (بن میمون) الصائغ (مسند الحمیدی: ۳۸۴)

حافظ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے لیکن صاحبِ لسان نے امام بخاری سے ''**سکتوا عنه**'' (یہ متروک ہے) کی جرح نقل کی ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (۳۹۱/۱، دوسرا نسخہ ۲۰۱/۱) یہ جرح امام بخاری سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے التاریخ الکبیر (۳۴۱/۱) اسماعیل بن ابراہیم سے ایک جماعت نے روایت بیان کی ہے اور ابو حاتم الرازی نے کہا: ''**شیخ**'' (الجرح والتعدیل ۱۵۴/۲)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے لیکن شواہد کے ساتھ حسن وصحیح ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث جس میں شوال کے چھ روزوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، بلحاظِ سند صحیح ہے۔

دوسری حدیث: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صيام شهر بعشرة أشهر وستة أيام بعدهن بشهرين فذلك تمام سنة ....))

يعني شهر رمضان و ستة أيام بعده .

رمضان کے روزے دس مہینوں کے برابر ہیں اور اس کے بعد چھ روزے دو مہینوں کے برابر ہیں، اس طرح سے پورے سال کے روزے بنتے ہیں۔

(سنن الدارمی:۱۷۶۲ وسندہ صحیح، سنن ابن ماجہ:۱۷۱۵، صحیح ابن خزیمہ:۲۱۱۵، صحیح ابن حبان:۳۶۳۵، السنن الکبریٰ للنسائی:۲۸۶۱، مسند احمد ۲۸۰/۵، وغیرہ)

اس حدیث کو ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ اب اس کے راویوں کا تذکرہ پیشِ خدمت ہے:

۱: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

۲: ابو اسماء عمرو بن مرثد الرحبی صحیح مسلم کے راویوں میں سے اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۵۱۰۹)

۳: یحییٰ بن الحارث الذماری ثقہ ہیں۔ (تقریب التہذیب ۷۵۲۲)

۴: یحییٰ بن حمزہ بن واقد الحضرمی الدمشقی القاضی صحیحین کے راوی اور ''ثقة رُمي بالقدر'' ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۳۶)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی پر قولِ راجح میں رُمی بالقدر والی جرح مردود ہوتی ہے۔

۵: یحییٰ بن حسان التنیسی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۷۵۲۹)

معلوم ہوا کہ یہ سند صحیح ہے لہٰذا اس کے ساتھ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ والی حدیث اور بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ

ان دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ شوال کے چھ روزے رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے اور زرولی دیوبندی تقلیدی کا انھیں ضعیف قرار دینا اور شوال کے چھ روزوں کو مکروہ سمجھنا باطل و مردود ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**أنبا محمد بن عبدالله بن عبد الحكم قال: حدثنا أبو عبد الرحمٰن المقرئ قال: حدثنا شعبة بن الحجاج عن عبدربه بن سعيد عن عمر بن ثابت عن أبي أيوب الأنصاري أنه قال: من صام شهر رمضان ثم**

أتبعه ستة أيام من شوال فكأنما صام السنة كلها''

ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ۲/۱۶۳، ۱۶۴ ح ۲۸۶۵)

اس موقوف روایت کی سند صحیح ہے۔ عبدربہ بن سعید بن قیس ثقہ اور صحیحین کے راوی ہیں۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۷۸۶) اوران تک سند صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ مرفوع حدیث کے ساتھ ان روزوں کی فضیلت آثار صحابہ سے بھی ثابت ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: سارا سال روزے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو سارا سال روزے رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: شوال کے چھ روزوں کو مکروہ یا ممنوع سمجھنا امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ زرولی دیوبندی نے فقہ کی کتابوں سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ نمبر ۳: امام مالک نے موطأ امام مالک میں فرمایا ہے کہ انھوں نے علماء وفقہاء میں سے کسی کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور ..... علماء اسے مکروہ سمجھتے ہیں....الخ (ج ۱ ص ۳۱۱ تحت ح ۶۹۹) یہ قول اس کی دلیل ہے کہ امام مالک تک درج بالا دونوں صحیح حدیثیں اور سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نہیں پہنچا ورنہ وہ کبھی یہ الفاظ نہ بیان فرماتے۔ جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس کے مقابلے میں ہر امام کا فتویٰ مردود ہوتا ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا امام ہو۔ سرفراز خان صفدر دیوبندی تقلیدی نے کیا خوب لکھا ہے کہ ''مسند مرفوع اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں دس ہزار تو کیا دس لاکھ بلکہ دس ارب و کھرب حضرات کی بات بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ علمی قاعدہ تو یہ ہے کل احد یوخذ عنہ ویترک الا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' (اتمام البرہان فی ردتوضیح البیان ص ۳۸۹)

وما علينا إلا البلاغ (۲۶/ مئی ۲۰۰۸ء)

كلمة الحديث

حافظ زبیر علی زئی

دین میں غلو کرنا کبیرہ گناہ ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾

کہہ دو، اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ایسی قوم کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہوئے، انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور خود بھی سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ (المائدۃ:۷۷)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! دین میں غلو نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ یقیناً دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔

(سنن ابن ماجہ:۳۰۲۹ وسندہ صحیح، وصححہ ابن خزیمہ:۲۸۶۷ وابن حبان، الموارد:۱۰۱۱، والحاکم ۱/۴۶۶ ووافقہ الذہبی)

حافظ ابن حزم نے دین میں غلو کرنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

(الکبائر للذہبی بتحقیق مشہور بن حسن ص ۱۵۰ ح ۴۵۷)

حد سے زیادتی اور تشدد کو غلو کہا جاتا ہے یعنی جو اُمور کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں ان میں سلف صالحین اور علمائے حق کے فہم کو چھوڑتے ہوئے ایسا راستہ اختیار کرنا جو سراسر شریعت کے خلاف ہے مثلاً عیسائیوں کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا، مُردہ یا زندہ بزرگوں کی محبت میں تجاوز کرتے ہوئے انھیں مقامِ الُوہیت پر بٹھانا، دورانِ حج جمرات کو سات کنکریاں مارنا مسنون ہیں مگر سات کے بجائے آٹھ یا دس کنکریاں مارنا، ایسے مسئلے گھڑنا جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے مثلاً نماز پاک جوتوں کے ساتھ اور بغیر جوتوں کے دونوں طرح صحیح ہے مگر بعض لوگوں کا جوتوں کے ساتھ ہی نماز کو ضروری سمجھنا وغیرہ، یہ سب غلو کی قسمیں ہیں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے غلو کو کبائر میں شمار کرتے ہوئے فرمایا: مخلوق کے بارے میں غلو کرنا حتیٰ کہ اس کے مقام سے تجاوز کیا جائے اور بعض اوقات یہ غلو گناہِ کبیرہ سے شرک کی طرف لے جاتا ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۴ ص ۴۰۷)

حافظ زبیر علی زئی

اللہ تعالیٰ کا احسان اور امام اسحاق بن راہویہ کا حافظہ

امام ابراہیم بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام اسحاق بن ابراہیم الحنظلی (یعنی اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ) اپنی کتاب مسند زبانی لکھواتے تھے، ایک دفعہ مجھ سے مسند سننے کی ایک مجلس رہ گئی تو میں کئی دفعہ آپ کے پاس گیا تا کہ آپ وہ حصہ مجھے دوبارہ سنا دیں مگر آپ عذر بیان کر دیتے تھے۔ میں ایک دفعہ آپ کے پاس گیا تا کہ یہ رہ جانے والا حصہ دوبارہ سن لوں۔ اس دوران میں آپ کے پاس دیہات سے اندرائن کے پھل (تمبے) آئے تھے، آپ نے مجھے فرمایا: آپ ان لوگوں کے پاس ٹھہریں اور ان اندرائن کا وزن لکھیں پھر جب میں فارغ ہو گیا تو مسند کا فوت شدہ حصہ تمھیں دوبارہ سنا دوں گا۔ ابراہیم بن ابی طالب کہتے ہیں: میں نے یہ کام کر لیا اور فارغ ہونے کے بعد آپ کو بتا دیا۔ وہ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تھے پھر میں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ آپ اپنے گھر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ میں نے کہا: آپ نے فوت شدہ حصہ دوبارہ سنانے کا وعدہ کیا تھا؟ آپ نے پوچھا: اس مجلس کی پہلی حدیث کیا تھی؟ میں نے آپ کو بتایا تو آپ نے دروازے کی دونوں چوکھٹوں کے درمیان کھڑے ہو کر ساری مجلس آخر تک زبانی سنا دی۔ انھوں نے ساری مسند زبانی لکھوائی تھی اور دوبارہ بھی یہ ساری کتاب زبانی لکھوائی تھی۔ (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۵۴ وسندہ صحیح)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کو کتنا عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا کہ آپ اپنی کتاب مسند اسحاق بن راہویہ ساری کی ساری ہمیشہ زبانی لکھوایا کرتے تھے اور کبھی کسی روایت میں غلطی نہیں آئی۔ مسند اسحاق بن راہویہ مکمل حالت میں فی الحال تو مفقود ہے مگر اس کی چوتھی جلد قلمی حالت میں موجود ہے۔ اس قلمی نسخے کی فوٹوسٹیٹ ہمیں حاصل ہوئی ہے جس کے تین سو چھ (۳۰۶) صفحات ہیں۔ غور کریں کہ کتنی بڑی مسند اسحاق بن راہویہ تھی اور امام اسحاق کا کیسا عظیم حافظہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ جس نے ایسے لوگ پیدا کر کے اپنے دین کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔